(غلام گردش)

ملک کے دشمن تو ہم خود ہیں!

مغربی دنیا کے اہل علم اور درسگاہوں میں پچیس برس سے ایک بحث جاری ہے کہ پاکستان ایک ناکام ریاست ہے یا بننے جارہی ہے۔ ہارورڈ سے لیکر کورنیل یونیورسٹی تک ایک عرصے سے پاکستان کے متعلق منفی تاثر بھرپور طریقے سے پھیلایا جارہا ہے یا مضبوط کیا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ایک سازش ہے یا ریاستی اور عوامی سطح پر ہم سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، جنہیں ہم غلطیاں تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہتے ہیں۔

کسی قسم کے منفی یا مثبت تاثر کے بغیر پوری صورتحال کا جائزہ لینا اور بین الاقوامی تناظر میں پرکھنا موجودہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے پاس اس درجہ کی قدآور شخصیات بہت ہی کم ہیں جنہیں مغرب میں سنجیدہ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس المیہ یا قیامت کا ادراک ہمارے ملک میں بہت کم ہے۔ حیرت یہ ہے کہ پاکستان کے متعلق مستند کتابیں یا قدآور دانشوروں میں بذات خود پاکستانی بہت ہی کم ہیں۔ آٹے میں نمک سے بھی کم۔ بلکہ یہاں تو نہ ہی آٹا ہے اور نہ ہی نمک۔ دونوں ہی منافقت کے پانی میں گھل چکے ہیں۔ اناتول لیون (Anatol Lieven) برطانوی محقق ہیں۔ انہوں نے پاکستان کے متعلق ایک منفرد کتاب لکھی ہے۔ عنوان ہے پاکستان ایک سخت ملک (Pakistan a hard country) انگریزی میں لکھی جانے والی وہ مستند تحریر ہے جس میں ہمارے ملک کے متعلق تعصب نہ ہونے کے برابر ہے۔ ناکام یا کامیاب ریاست کے زاویہ سے نکل کر ایک بہت جاندار نئی بات کہنے کی جرات کی گئی ہے۔ ہمارے وطن کو (Soft State) یعنی ایک "نرم ریاست" بتایا گیا ہے۔ ہمارے عوامی رویوں، جغرافیائی خوبصورتی، لوگوں کی کمال مہمان نوازی اور قوت برداشت کی بھرپور تعریف کی گئی ہے۔ پاکستان کے سیاسی تغیر بلکہ جوار بھاٹہ کو بھی موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ برصغیر کی تاریخ پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ 12-2011 میں چھپنے والی کتاب ہمارے ہر شہر میں موجود ہے۔ طالبعلم کی رائے ہے کہ اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ بذات خود ہم اپنے ہی حالات کے بہترین تجزیہ کار کیوں نہیں بن پائے۔ شائد پوری دنیا میں ہماری حرکتوں کی بدولت کوئی قوم بھی ہمیں وہ اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں جو ہمارے جیسے ملکوں کو حاصل ہے۔ مگر اس ناانصافی کا گلہ کرنے کی بجائے معاملہ کی تہہ تک پہنچنا اشد ضروری ہے۔ انفرادی منفی یا مثبت حرکتیں جب مسلسل ہوتی جائیں تو اسے قومی وطیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہر ملک اور قوم کے بالکل یکساں ہیں۔ کسی جگہ بھی اس سے مفر نہیں۔ معاملات انتہائی سنجیدہ نظر آتے ہیں مگر جوہری طور پر انتہائی سادہ ہیں بلکہ بہت ہی سادہ۔ ریاستی رویہ بھی اہم ہے لیکن لوگوں کے عمومی رویوں کو دیکھنا بھی اتنا ہی اہم ہے۔

چند مثالیں دیکر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے اکثر لوگ کس درجہ غلیظ انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں۔ شائد مثال آپکو ادنیٰ لگے مگر حقیقت دراصل حقیقت ہی ہوتی ہے۔ مچھلی تو تلنے کیلئے دکانوں پر بڑے بڑے کڑھائے رکھے جاتے ہیں۔ اس میں کھولتا ہوا تیل مچھلی کو ذائقہ بھی دیتا ہے اور لوگ شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ انجن بلکہ فرنس آئل کی ایک خاص قسم ہے جو آئل کمپنیاں تلف کر دیتی ہیں۔ مگر کھانے سے منسلک خصوصاً وہ کاروبار جس میں اشیاء کو فرائی کیا جاتا ہے۔ تلف شدہ تیل خرید لیتے ہیں۔ بغیر کسی

روک ٹوک کے سرِ عام اس تلف شدہ تیل کو مچھلی اور دیگر اشیاء تلنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔تیل کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ بخارات میں انتہائی آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا ہے۔یعنی اگر کسی نے دس لیٹرز زہریلا تیل خرید ڈالا ہے تو اسے ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں استعمال کریگا۔یہ اس عظیم ملک کے کونے کونے میں ہو رہا ہے۔ہم سارے پیسے صَرف کر کے زہر خریدتے ہیں اور مزے سے کھاتے ہیں۔دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا یہ انڈیا کی سازش ہے یا ہمارے اپنے لوگ ہمیں آہستہ آہستہ قتل کر رہے ہیں۔چھوٹے تاجر یا دکاندار سے لیکر بڑے سرمایہ دار تک، اپنی اپنی سطح پر خاموشی سے ملاوٹ، غیر معیاری اشیاء کی تیاری اور تباہ کن حرکات میں مصروف ہیں۔کیا یہ تمام طبقہ کسی اور ملک کے شہری ہیں۔ نہیں قطعاً نہیں یہ اسی عظیم ملک کے باسی ہیں۔کیا کسی ترقی یافتہ ملک میں ایسا ادنیٰ کام سوچا بھی جاسکتا ہے۔دودھ، دہی، گوشت، مصالحہ، غرض کہ ہر کھانے پینے کی استعمال کی چیز غیر معیاری ہے۔دوایاں، سرجری کے آلات، آپریشن تھیٹر، تشخیصی سینٹر ہر جگہ اپنی اپنی جگہ عذاب ہیں۔

سرکاری ہسپتالوں کی حالت زار پر اکثر نوحہ سنتے رہتے ہیں۔نجی شعبہ میں ہسپتالوں کا جائزہ لیجئے۔ پرائیویٹ ہسپتال گلی محلوں سے لیکر بڑے بڑے قطعات پر کام کر رہے ہیں۔کسی بھی پرائیویٹ ہسپتال میں بین الاقوامی معیار کی ایک بھی چیز، طبی معالجہ اور سہولتیں موجود نہیں ہیں۔کسی ہسپتال میں لندن، امریکہ، سنگاپور یا جنوبی کوریا جیسا ایک بھی کمرہ نہیں ہے۔لاہور کے ایک بہت نامور نجی ہسپتال میں ایک امریکی ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر دیکھا تو ششدر رہ گیا۔دل کے آپریشن کے وہ آلات یا مشینیں جو مغربی ہسپتالوں میں متروک ہو چکی تھیں۔سکریپ کے بھاؤ وہاں سے خرید کر لاہور جیسے شہر میں بے دریغ استعمال ہو رہی تھیں۔امریکی ڈاکٹر اس نجی ہسپتال کو دیکھ کر کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔اسکا فقرہ تھا کہ اس ہسپتال کے ڈاکٹر مجرم ہیں۔انہیں گرفتار کر کے سزا دینی چاہیے۔ پر نہیں، غیر معیاری اور گھٹیا علاج کے باوجود وہ ہسپتال پھل پھول رہا ہے۔دل کا ایک آپریشن کرنے کے تیس سے چالیس لاکھ روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ظلم کی انتہا یہ ہے کانوں کان بتایا نہیں جاتا کہ یہ آپریشن تھیٹر موت کی آماج گاہیں ہیں۔زندہ رہ گئے تو آپکی ہمت۔اور اگر مر گئے تو بہر حال ڈاکٹر کی کوئی غلطی نہیں۔صحت کے نظام میں تمام نجی شعبہ بھی اسی انحطاط کا شکار ہے جس تنزلی کا ہمارا معاشرتی رجحان ہے۔ جہاں تک غریب کا علاج ہے تو اسکے لئے سرکاری موت گاہیں یعنی سرکاری ہسپتال موجود ہیں۔غریب یہاں صرف اور صرف شناختی کارڈ ہیں۔سانس لیتے ہوئے پلاسٹک کے بے جان کارڈ۔ یہ رہیں یا نہ رہیں، کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔سوال ہے کہ کیا یہود و نصاریٰ ہمیں اپنے تمام ہسپتال ٹھیک کرنے سے روک رہے ہیں؟

پاکستان میں طبقاتی نظام اس درجہ طاقتور ہو چکا ہے کہ اب کسی صورت میں اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔سیاست سے لیکر مذہب تک اور دانشوروں سے لیکر جاہلوں تک ایک ایسی نظر نہ آنے والی تفریق ہو چکی ہے جسکے سامنے سب بے بس ہیں۔کیا یہ نظر نہیں آرہا کہ ہمارے ملک میں برابری کے علمی مواقع تک میں فرق ہے۔غریب کے بچوں کیلئے وہی دقیانوسی سا سرکاری سکول یا کالج۔امیر کے بچوں کیلئے قدرے بہتر سکول۔معذرت کے ساتھ پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی مکمل طور پر علم دشمنی پر چل رہے ہیں۔یہاں تک بتایا گیا ہے کہ ایک نجی تعلیمی گروپ باقاعدہ تعلیمی بورڈ کے عملہ کو رشوت دیکر اپنے طلباء اور طالبات کو بہترین پوزیشن دلواتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایک

بھی بین الاقوامی سطح کا تعلیمی ادارہ ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے۔ ہو کیا رہا ہے۔ غریب کے بچے کیلئے کیونکہ جائز سہولتوں کا فقدان ہے، لہذا مدرسے اس خلا کو پورا کر رہے ہیں۔ ریاست مکمل طور پر غریب کے بچے کو بہتر تعلیم دینے سے قاصر نظر آتی ہے۔ مدارس غریب کیلئے ایک پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں کم از کم کھانا اور رہائش مفت ہے۔ مگر بتایئے کہ کیا مفلوک الحال طبقہ اپنے بچوں کو مار ڈالے۔ مدارس وہ واحد درسگاہیں ہیں جہاں ان بچوں کو تعلیم کے نام پر بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ طبقاتی نظام کی موجودگی میں مدرسہ صرف اور صرف دہشت گرد ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہاں سے سائنسدان اور محقق پیدا ہونے انتہائی مشکل ہیں۔ معذرت کے ساتھ سائنسدان اور مفکر تو پرائیویٹ اور سرکاری سکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی پیدا نہیں کر رہیں۔ کیا یہ بھی امریکہ کی سازش ہے کہ ہم اپنا مکمل تعلیمی نظام برباد کر چکے ہیں اور ٹھیک کرنے سے قاصر ہیں۔

کارِزارِ سیاست میں اب آپ ان سیاسی جماعتوں کی طرف آیئے جو دین کو بطور ہتھیار یا پروپیگنڈا استعمال کر رہی ہیں۔ الحمدللہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دین کی ظاہری شکل پر بہت زور ہے مگر اسکی روح پر کوئی عمل نہیں کر رہا۔ اس مسلمان ملک میں سیکولر اور مذہبی ہونے کی ایک ایسی خلیج ڈال دی گئی ہے کہ معاشرہ مکمل طور پر تقسیم ہو چکا ہے۔ مسلمان بذات خود سیکولر ہیں یا نہیں۔ اس پر بھی دلیل سے بات کرنی ضروری ہے۔ مگر اس بحث کا کیا مقصد ہے۔ اسلامی شعائر پر عمل کرنے والا ہر شخص مسلمان ہے۔ میرے آقاؐ کا یہی حکم ہے۔ مگر نہیں، ہم نے منتشر قوم کو مزید منتشر کر ڈالا ہے۔ دینی سیاسی جماعتوں نے ایک اور رخ سے معاشرے کو تقسیم کر ڈالا ہے۔ اپنے انتخابی نشان اس طرح کے چنتے ہیں کہ اس میں دین کا نمائشی پہلو آتا ہے۔ الیکشن کمیشن سے انتخابی نشان تو کتاب لیا جاتا ہے لوگوں میں تقاریر کے دوران اسکو ہماری عظیم الہامی کتاب بتایا جاتا ہے۔ انتہائی ادب سے عرض کرونگا کہ مسلمانوں کے ملک میں کیا دینی سیاسی جماعتوں کی گنجائش ہونی چاہیے جو دین کو ایک مخصوص زاویہ سے پیش کر کے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ کیا یہ بھی انگریز کی عیاری ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتوں نے ہمارے پورے معاشرہ کو تقسیم کر ڈالا ہے؟

جس ملک میں ہر شخص بربادی میں اپنا حصہ ڈال رہا ہو۔ جہاں پھل فروش سے لیکر مقتدر طبقہ مکمل طور پر ریاست کو چونا لگا رہا ہو، وہاں کیا بات کی جائے اور کیسے کی جائے۔ مضبوط ادارے تو دور کی بات، میری نظر میں ہمارے پاس تو کمزور ادارے بھی نہیں ہیں۔ پیہم خودکشی اور زوال ہی وہ راستہ ہے جس پر بیس کروڑ لوگ خوشی سے ایک دوسرے کی جیب کاٹ رہے ہیں۔ ہمارے دشمن بھی ہیں، اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ پر ملک کے اصل دشمن تو ہم خود ہیں، ہم سارے لوگ!

راؤ منظر حیات